مذاہبِ اربعہ کے اختیار میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق و تطبیق

ڈاکٹر حافظ محمد سجاد*

موضوع کا تعارف اور اہمیت:

عہد حاضر کا تقاضا ہے کہ مسلمان متحد ہوں، امت مسلمہ اپنی نظریاتی وحدت کی بنا پر اپنی شیرازہ بندی کرے، قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور تفرقہ میں مت پڑو۔ امت کے پاس قرآن کریم اور سنت کی شکل میں احکام موجود ہیں جن کی روشنی میں باہمی تنازعات کو حل کیا جا سکتا ہے۔ مگر بد قسمتی سے امت کے مابین متفقہ امور کو نمایاں کرنے کی بجائے فروعی اختلاف کو ہوا دے کر، باہمی نزاع کی چنگاریاں بھڑکا کر اس امت کی وحدت و قوت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی (۱) کے دیگر تجدیدی کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ یعنی مذاہب اربعہ کے مابین اتحاد و تطبیق کی کوشش ہے۔

دینی علوم میں قرآن و حدیث کے بعد فقہ کو اہمیت حاصل ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں مدون شکل میں یہ علم موجود نہیں تھا۔ اس لئے کہ مہبط وحی بذات خود موجود تھے۔ اور مسلمانوں کو جن مسائل میں رہبری کی ضرورت ہوتی انہیں فوراً میسر ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی مدون شکل میں فقہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ شریعت کے اسرار و رموز سے واقف اور آغوش نبوت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ زندگی کے نشیب و فراز میں جو الجھنیں پیش آتیں یا عبادات کی ادائیگی میں جو مسائل سامنے آتے، صحابہ کرامؓ قرآن مجید اور صحبت نبوی ﷺ کے فیضان سے اسے آسانی سے حل کر لیتے اور کسی مسئلہ میں الجھن پیش آتی تو ان سے دریافت کر کے اس الجھن کو دور کر لیا جاتا تھا۔ لیکن صحابہ کرام کے بعد تابعین و تبع تابعین کا دور آیا تو اسلامی مملکت کی وسعت اور نئے مسائل کے باعث اجتہاد کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ تمام مراکز حکومت میں دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے مجتہدین نظر آنے لگے۔ پھر بھی ایک معین مجتہد کے مذہب کو اختیار کرنے یا مخصوص شخص کے مذہب پر فتویٰ صادر کرنے یا کسی خاص شخص کے مسلک پر اعتماد کرنے کا رجحان عام نہیں ہوا۔ لیکن اسی صدی کے اختتام پر یہ نظریہ عام ہو گیا اور لوگ کسی خاص مجتہد سے وابستہ ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ مجتہدین کی آراء کا اختلاف بھی ابھر کر سامنے آنے لگا اور یہ ایک فطری امر تھا۔ مگر چوتھی صدی کے بعد فقہی معاملات میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہو گئے۔ اختلافات، مناظروں اور مجادلوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ تقلید نے ''تقلید جامد'' کی حیثیت اختیار کر لی اور فقہی مذاہب میں غلو کی صورت پیدا ہو گئی۔ چوتھی صدی کے آغاز ہی سے مجتہد مستقل تو ناپید ہو گئے اب صرف مجتہد مذہب رہ گئے۔ تفریعات و

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و تہذیب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تخریجات کا ہنگامہ گرم ہوگیا اور جزوی وفروعی اختلاف نے اصولی اختلاف کا روپ دھارلیا، چونکہ اختلافات علماء کی سطح سے اتر کر عوام کی سطح پر آگئے تھے۔ اس لئے تشدد، تصلب اور تقشف نے راہ پائی، ظاہر ہے کہ یہ شکل امت کے مفاد کو نقصان پہنچانے والی تھی۔ اوران حالات پر ہر شخص کڑھتا تھا جو ملت اسلامیہ کا بہی خواہ اور اس کی ترقی وکامرانی کا متمنی تھا (۲)۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی نظر میں فقہی مذاہب کی حقیقت:

عہد صحابہ کے بعد فقہی اختلاف آراء فقہاء مجتہدین کی جانب منسوب ہوکر معروف ہونا شروع ہوا، اور جب ائمہ مذاہب کے دور میں اختلاف آراء زیادہ وسیع اور زیادہ نمایاں ہوا تو باضابطہ فقہی مسالک تشکیل پاگئے۔

ابتداء میں متعدد مجتہدین فقہاء مذاہب تھے اور انکی جانب منسوب فقہی مذاہب معروف ہورہے تھے، یہ فقہاء مذاہب تابعین، تبع تابعین اور انکے تلامذہ تھے ان میں اپنے فقہی مذاہب کی شناخت رکھنے والے مشہور فقہاء درج ذیل تھے۔

حضرت حسن بصریؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام لیث بن سعدؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام جعفر صادق، حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت ابوثورؒ، حضرت ابن ابی لیلیٰؒ، حضرت شریک نخعیؒ، حضرت زید بن علی زین العابدینؒ، حضرت داؤد ظاہریؒ، حضرت ابن جریر طبریؒ وغیرہ، لیکن ان میں بنیادی طور پر دو رجحانات باہم ممتاز ونمایاں تھے، ایک رجحان صرف روایت حدیث کو پسند کرتا تھا اور اپنی رائے وفتوی دینے سے سوائے انتہائی ضرورت کے حتی الامکان گریز کرتا تھا۔ اس رجحان کے نتیجے میں تمام بلاد اسلامیہ میں حدیث وآثار کی تدوین کا زبردست رواج ہوا اور حدیث کا عظیم الشان ذخیرہ جمع ہوگیا، اس کے بالمقابل دوسرا رجحان رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے کوئی روایت کرنے میں خوف محسوس کرتا تھا اور رائے وفتوی کو اختیار کرتا تھا، گو کہ وہ بیشتر احوال میں حدیث رسول ہوتی تھی۔ پہلے رجحان والے بھی استنباط واجتہاد اور رائے کا استعمال کرتے تھے اور دوسرے رجحان کے علمبردار بھی روایت حدیث اور اس کی اشاعت میں مصروف تھے (۳)۔

بلاد اسلامیہ میں دو علمی مراکز نمایاں ہوئے، ایک مدینہ منورہ، جہاں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور انکے بعد ممتاز تابعین کی روایات، آراء اور اقوال لائق اختیار قرار پائے اور عالم مدینہ حضرت امام مالکؒ (م-۱۷۹ھ) ہوئے اور اس سرمائے کے امین اور علمبردار ہوئے۔ دوسرا مرکز عراق کا شہر کوفہ تھا، جہاں تین سو سے زائد علماء صحابہ کرام تشریف لائے تھے اور بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے اصحاب، حضرت علیؓ، حضرت شریح، حضرت شعبیؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے فتاوی اور فیصلوں کو ترجیحی طور پر اختیار کیا گیا، اس سرمایہ علم وروایت کے علمبردار حضرت امام ابوحنیفہؒ (م-۱۵۰ھ) ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ (م-۲۰۴ھ) اس وقت تشریف لائے جب حنفی اور مالکی مسالک کے اصول وفروغ کی ترتیب کا دور

آغاز تھا، انہوں نے دونوں مسالک کی بنیادوں پر نظر ڈالی اور ان سب کی روشنی میں اصول وفروع متعین فرمائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ (م-۲۴۱ھ) کا دور اس کے بعد کا ہے، جغرافیائی اعتبار سے انکا مرکز عراق کا شہر بغداد رہا، اور علمی انتساب امام شافعیؒ سے حاصل ہوا، لیکن اس وقت جو دو رجحانات رائج تھے ان میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ رجحان روایت حدیث کے علمبردار ہوئے (۴)۔

رفتار زمانہ کے ساتھ مختلف اسباب کے نتیجہ میں دیگر فقہاء مجتہدین کے مذاہب ناپید ہوتے گئے اور صرف یہی چار فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی باقی رہ گئے، اور عالم اسلام میں ان ہی چار مسالک پر عمل کرنے والوں کی اکثریت رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے چاروں فقہی مسالک کا بڑا عمیق اور دقیق مطالعہ فرمایا، ان کے اصولوں کو دیکھا، ان کی متدل احادیث کا مطالعہ کیا، ان کے بانیان اور علمبرداران کی حیات وخصوصیات کا تجزیہ کیا، ان چاروں مذاہب کی تاریخ اور مختلف ادوار میں ان پر ہونے والے کاموں کا جائزہ لیا۔ ان سب کے بعد انہوں نے بڑے ٹھوس، مدلل اور انتہائی معتدل انداز مین مذاہب اربعہ کی حقیقت، خصوصیات اور ان کے مقام ومرتبہ کو واشگاف کیا۔

مذاہب اربعہ کی خصوصیات:

مذاہب اربعہ کی خصوصیات کے بارے میں شاہ صاحب بتاتے ہیں کہ یہی چار مذاہب اس وقت دنیا میں ایسے ہیں جن میں سلف کے اقوال وتحقیقات صحیح سند مروی ہیں، مشہور کتابوں میں انہیں مدون کیا گیا ہے، ان پر اسطرح کام کیا گیا ہے کہ راجح اور مرجوع اور عام اور خاص میں امتیاز آسان ہوگیا۔ جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں اسکی تقید کا علم ہے۔ مختلف اقوال میں تطبیق دی جاچکی ہے، اور احکام کی علتوں پر روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ اس طرح مذاہب اربعہ میں موجود ذخیرہ احکام تنقیح وتدقیق اور خدمت مختلف پہلوؤں سے انجام پاچکی ہے۔ اور یہ اوصاف وخصوصیات ہیں جو کسی بھی قول وتحقیق پر اعتماد کے لئے ضروری ہیں۔

مذاہب اربعہ کا مقام:

چاروں فقہی مسالک جس طرح مذکورہ بالا خصوصیات میں یکساں ہیں ان چاروں کا مقام ومرتبہ بھی برابر ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ یہ رائے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے رسول کریم ﷺ کی جانب ان سے روحانی استفادہ میں منسوب کی ہے، شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے ان چاروں مذاہب کے بارے میں دریافت کیا کہ ان میں سے کون سے مذاہب ان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور لائق اختیار ہیں، تو میرے دل پر یہ فیضان ہوا کہ یہ سارے مذاہب برابر ہیں، اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں (۵)۔

فقہی اختلاف کے بارے میں شاہ صاحب کی یہ رائے ہے کہ بیشتر مسائل میں اختلاف کی حیثیت محض اولی اور غیر اولی کے تعیین کی ہے، دلائل دونوں جانب ہیں اور دونوں صورتیں مشروع ہیں۔ یہ رائے بھی چاروں فقہی مذاہب کے یکساں درجہ ومقام

کوواشگاف کرتی ہے۔

خود حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے چاروں فقہی مسالک اور انکے بانیان کے تئیں بڑے پرزور کلمات میں اظہار عقیدت فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کی انفرادی خصوصیات کی نشاندہی فرمائی، چنانچہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا مرتبہ اجتہاد واستنباط کے سلسلے میں بہت بلند تھا اور وہ مسائل کی تخریج میں بڑے دقیق النظر تھے(۶)۔

امام مالکؒ کی تصنیف موطا کے بارے میں انکی رائے ہے کہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا امام مالک ہے(۷)۔ تیسرے مسلک کے بانی امام شافعیؒ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں سنت سے زیادہ قریب امام شافعیؒ کا مذہب ہے(۸)۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کو وہ فقہائے محدثین میں سب سے عالی مرتبہ، وسیع الروایہ، حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر قرار دیتے ہیں(۹)۔ اس طرح حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تاریخ اسلامی کے ان مدون، محفوظ اور مہذب و محرر چار فقہی مسالک کی حیثیت، حقیقت اور مقام ومرتبہ کوواشگاف فرمایا۔

مذاہب اربعہ کی تقلید کیوں ضروری ہے:

تقلید کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تقلید کو چار اماموں تک محدود کیوں رکھا گیا ہے؟ ان کے علاوہ اور بہت سے مجتہد گزرے ہیں۔ ان کی تقلید کیوں نہیں کی گئی؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ان چاروں اماموں کے علاوہ دیگر جتنے بھی مذہب تھے وہ شہرت عام اور بقائے دوام حاصل نہ کرسکے اور خود بخود ختم ہوگئے۔ جبکہ یہ چار مذاہب یعنی (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) مضبوط بنیادوں پر قائم ہوئے ان مذاہب کے تمام مسائل غور وخوض کرنے کے بعد مدون ومنضبط ہوچکے ہیں اور بعد میں جن حضرات نے آزادانہ اجتہاد کیا بھی تو وہ بھی مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد بن گئے اور اس کے مسلک ومذہب کے مطابق فتویٰ دیا۔ اس لئے ان کے مذاہب تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں۔

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کے بارے میں امت کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرمایا ہے:

''ان هذا لمذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الا مة ومن يعتمدبه منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفى هذا من المصالح مالا يخفى لا سيما فى هذا الايا م التى قصرت فيها التهمم جداو اشربت النفوس الهوىٰ واعجب كل ذى رأى برايه ''(۱۰)

''یعنی تمام امت نے اور امت کے قابل اعتبار افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ جو مدون ہوچکے ان کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع کیا ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں اور فوائد ہیں جو مخفی نہیں بالخصوص اس موجودہ دور میں جس میں کم ہمتی اور سستی بے اندازہ ہے اور نفوس خواہش پرستی میں مستغرق ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر مغرور

ہو رہا ہے''

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے ائمہ اربعہ کے مسالک کو اختیار کرنے اور ان کی تقلید کرنے کیلئے چار بڑی وجوہات بیان کی ہیں۔

1۔ مذاہب اربعہ کے مسالک باقاعدہ طور پر مدون اور موجود ہیں۔

2۔ پوری امت مذاہب اربعہ کی تقلید پر متفق ہے۔

3۔ تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں امت کیلئے ظاہر و باہر سلامتی اور عافیت ہے۔

4۔ یہ کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید کی وجہ سے نفوس میں ہوا و ہوس اور من مانی خواہشات کا خاتمہ ہے جس سے کوئی شخص دین میں اپنی من مانی نہیں کر سکے گا۔

مذاہب اربعہ پر مکمل اعتماد:

حضرت شاہ صاحبؒ نے ''عقد الجید'' میں مذاہب اربعہ پر امت کے مکمل اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

''و لیس مذهب فی هذه الازمنة المتأخرة بهذه الصفة الّا هذه المذاهب الاربعة'' (۱۱)

''اور اس آخری زمانہ میں مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں جس پر اعتماد کیا جائے اور جو ان صفات کا حامل ہو جو کہ مذاہب اربعہ میں ہیں''

مذاہبِ اربعہ کی تقلید خدا کا خاص فضل ہے:

شاہ صاحبؒ مذاہب اربعہ میں تقلید شخص کو خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور الہامی راز قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''و بالجملة فالتذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالىٰ فی قلوب العلماء و جمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون'' (۱۲)

''خلاصہ یہ ہے کہ مجتہدین کے مذہب کی پابندی یعنی تقلید شخصی ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا اور ان کو اس پر جمع فرمایا۔ خواہ وہ اس تقلید شخصی کی خوبیاں سمجھیں یا نہ سمجھیں،،

مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں شاہ صاحبؒ کے دلائل:

حضرت شاہ صاحبؒ نے مذاہب اربعہ کے اختیار پر زور دیا ہے کیونکہ یہی مذاہب اب موجود ہیں اور امت کا ان پر اجماع ہو چکا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''عقد الجید فی احکام الاجتها دو التقلید'' میں ان مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے پر تین دلائل دیئے ہیں:

مذاہب اربعہ اختیار کرنے میں عظیم مصلحت:

حضرت شاہ ولی اللہ بڑی صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت کا علم سلف پر اعتماد کے بغیر نہیں ہو سکتا اور پوری اسلامی تاریخ میں ہر دور کے اہل علم نے اپنے ماقبل دور کے سلف پر اعتماد کیا ہے اور اسی سلسلہ سے شریعت ہم تک پہنچی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مذاہب اربعہ کی پیروی میں عظیم الشان مصلحت سمجھی اور ان کو چھوڑنے میں ایک بہت بڑا افساد جس کو آپ نے ''عقد الجید'' میں یوں بیان کیا ہے:

"اعلم ان فی الا خذ بهذه المذاهب الا ربعة مصلحة عظيمة وفی الا عراض عنها كلها مفسد ة كبيرة و نحن نبين ذلك بوجوه احدها ان الامة اجتمعت على ان يعتمدواعلى السلف فی معرفة الشريعة فالتا بعون اعتمدوا فی ذلك على الصحابة و تبع التابعين اعتمدوا على التابعين و هكذافی كل طبقة اعتمدالعلماء على من كان قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا يعرف الا بالنقل والا ستنباط والنقل لا يستقيم الا بان يا خذ كل طبقة عمن كان قبلها با لا تصال ولا بد فی الا ستنباط ان يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من اقوالهم فيفرق الا جماع ولیبنی عليها" (۱۳)

''امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کریں۔ اس لئے اس معاملہ میں تابعین نے صحابہ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور ان کے بعد یہی طریقہ قائم رہا کہ ہر طبقہ کے علماء اپنے سے سابق علماء پر اعتماد کرتے رہے۔ یہ طریقہ عقلاً پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ شریعت کی معرفت یا تو نقل کے ذریعے ہو سکتی ہے یا استنباط کے ذریعے۔ نقل کی صحیح صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر طبقہ اپنے ماقبل طبقہ سے متصل طور پر لے اور استنباط کے لئے ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ کسی موقع پر ان کے اقوال سے خروج کی بنا پر فرق اجماع لازم نہ آئے اور تاکہ اپنے قول کی انہی کے اقوال پر بنا کریں''

مذاہبِ اربعہ کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع ہے:

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و ثانیاً قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الا عظم ولما اندرست مذاهب الحقة الا هذه الا ربعة كان اتبا عها اتباعاً للسوادلا عظم والخروج عنها خروجها عن السواد الا عظم" (۱۴)

''یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو۔ اور چونکہ ان مذاہب اربعہ کے سوا تمام مذاہب حقہ فنا ہو چکے ہیں اس لئے ان کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا۔ اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا''

قرون اولیٰ سے دوری:

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تیسری بڑی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وثالثها ان الزمان لما طال وبعد العهد وضيعت الا مانات لم يجزان يعتمد على اقوال علماء السوء من القضاة الجورة والمفتين التابعين لا هوائهم حتى ينسبواما يقولون الى بعض من اشتهر من السلف بالصدق والديانة والا مانة اما صريحا اودلالة وحفظ قوله ذلك ولا على قول من لا ندرى هل جمع شروط الاجتهاد اولا فاذا راينا العلماء المحققين فى حفظ مذاهب السلف عسىٰ ان يصدقوا فى تخريجاتهم على اقوالهم و استنباطهم من الكتاب والسنة واما اذالم نرعنهم ذلك فهيهات وهذا المعنى الذى اشاراليه عمر بن بن الخطاب رضى الله عنه حيث قال يهدم الا سلام جدال المنافق بالكتاب وابن مسعود رضى الله عنه حيث قال من كان متبعاً فليتبع من مضى"(۱۵)

''اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ چونکہ عہد رسالت ﷺ سے دور ہے اور امانتیں ضائع ہونے لگی ہیں اس لئے یہ جائز نہیں کہ علماء سوء ظالم قاضیوں یا ان مفتیوں کے اقوال پر اعتماد کیا جائے جو اپنی خواہشات نفسانی کے غلام ہیں تاوقتیکہ وہ اپنی بات کو صریحاً اور دلالۃ سلف میں سے کسی ایسے شخص کی طرف منسوب نہ کریں جو صدق، امانت اور دیانت میں مشہور ہو چکا ہو۔ اور اس کا یہ قول محفوظ ہو۔ اور نہ اس شخص کے قول پر اعتماد جائز ہے جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ وہ اجتہاد کی شرائط کا جامع نہیں ہے۔ اب جب ہم علماء کو دیکھیں کہ وہ مذہب سلف میں ثابت قدم ہیں تو ان کی اقوال سلف سے تخریجات یا ان کے خود کتاب وسنت سے استنباط میں تصدیق کی جاسکتی ہے اور جب ہم علماء میں یہ بات نہیں دیکھتے تو ان کی تصدیق نہیں کی جاسکتی، اس معنی کی طرف حضرت عمر بن خطابؓ نے اشارہ فرمایا کہ منافق کا قرآن سے جھگڑنا اسلام کی دیواروں کو متزلزل کردے گا اور ابن مسعودؓ نے فرمایا: ''جس کو اتباع کرنی ہے سلف کی اتباع کرے''

الغرض مندرجہ بالا اقتباسات سے حضرت شاہ صاحب کی مذاہب اربعہ کے بارے میں تحقیق کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے نزدیک بلکہ پوری امت کے نزدیک یہ چاروں مسالک قابل تقلید ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص خود اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے تو ان مذاہب کی آراء میں سے قوی اور مدلل دلیل کو سامنے رکھ کر اپنا رخ متعین کرسکتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ ان فقہاء اربعہ کا محتاج رہے گا اور ان کی آراء واستنباط کے بغیر کامل دسترس نہیں حاصل کرسکتا۔

شاہ صاحبؒ نے مذاہب اربعہ کو جہاں اختیار کرنے کی تلقین کی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے نزدیک یہ چاروں مذاہب یکساں اہمیت کے حامل ہیں ان کی اس اہمیت کا ذکر آپ نے ''فیوض الحرمین'' میں یوں کیا:

''میں روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ میری طرف (روحانی طور پر) ملتفت ہوئے میں سمجھا کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک میں مجھے لے لیا ہے اور آپ ﷺ نے مجھے اسرار و رموز سے آگاہ فرمایا۔ اسی حالت میں میں نے اس بارے میں سوچ و بچار کی اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ آپ ﷺ مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص مذہب کی طرف رجحان رکھتے ہیں تاکہ میں فقہ کے اس مذہب کی اطاعت کروں اور اس کو مضبوطی سے پکڑوں، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک فقہ کے سارے کے سارے مذاہب یکساں ہیں'' (۱۶)

قریب قریب اسی مفہوم کی عبارت ''تفہیمات'' میں ہے جس میں آپ لکھتے ہیں:

"سالتہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ھذہ المذاھب الاربعة وھذہ الطرق ایھا اولی عندہ بالا خذ واجب فخاض علی قلبی منہ ان المذاھب والطرق کلھا سواء لا فضل لواحد علی الاخر" (۱۷)

البتہ آپ کی یہ دلی آرزو تھی کہ فقہ حنفی اور فقہ شافعی جو کہ عام متداول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے بے شمار ہیں۔ چنانچہ ان کی جزئیات کو مکتب حدیث پر پیش کیا جائے اور جو مسائل حدیث کے موافق ہوں قبول کر لئے جائیں اور جن کی اصل حدیث نہیں یا حدیث کے خلاف ہے انہیں کلیتاً ساقط کر دیا جائے

ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ صورت تجویز فرمائی کہ جامد تقلید سے احتراز برتا جائے اور اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔ گو کہ یہ اجتہاد ''اجتہاد مستقل'' نہ ہو بلکہ کسی ایک امام کی تقلید اختیار کرتے ہوئے عصری تقاضوں کے پیش نظر رکھا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ دلی آرزو تھی کہ چاروں فقہی مسالک کے مابین پائے جانے والے تنازعات ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں اور آپ نے اس ضمن میں عملی تطبیق کے ذریعے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلے میں آپ کا مشورہ یہ ہے کہ:

''چونکہ حنفی مذہب کو قبول عام حاصل ہے۔ ان کی تصانیف بھی بے شمار ہیں اور ان کے ماننے والوں کی تعداد بھی معتد بہ ہے۔ اس لئے جو بات اس وقت ملاء اعلیٰ کے علوم سے موافقت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی ان تمام باتوں کو قائم رکھا جائے جو ان میں اور حدیث کی دیگر کتب میں مشترک ہیں اور ان تمام باتوں کو رد کر دیا جائے جن کی کوئی اصل سرے سے فراہم ہی نہ ہو'' (۱۸)

الغرض شاہ صاحبؒ کے فلسفہ کا بنیادی عنصر ''الجمع بین المختلفات'' ہی ہے۔ فقہ کے اختلافی مسائل پر نگاہ ڈالتے وقت حضرت شاہ صاحب اپنے اس جمع و تطبیق کے عمل کو بار بار استعمال کرتے ہیں مثلاً رفع یدین، قراۃ خلف الامام، آمین بالجہر، مسح راس وغیرہ میں شاہ صاحب نے تطبیق کر کے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔

مذاہب کے مابین تطبیق کی کوشش:

ہندوستان میں حضرت شاہ صاحبؒ کے گرد و پیش صرف مسلک حنفی ہی تھا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مسلک نہیں تھا۔ جب

آپ حرمین شریفین پہنچے تو وہاں حنفی اساتذہ کے علاوہ مالکی اور شافعی اساتذہ سے بھی مستفید ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ تاج الدین قلعی حنفی، شیخ وفد اللہ مالکی اور شیخ ابوطاہر شافعی تھے۔ شاگرد کا اپنے استاد سے متاثر ہونا چونکہ ایک فطری امر ہے۔ اس لئے شاہ صاحب حنفی المسلک ہونے کے باوجود دیگر مسالک سے بھی متاثر ہوئے۔ قیام حرمین کے دوران ہی مختلف فقہی اختلاف کی بنا پر مسلک کے اختیار کرنے کے بارے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے اور تقلید کو چھوڑنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آپ کو روحانی طور پر تین باتوں کا حکم ہوا چنانچہ فرماتے ہیں:

"وثانیها الوصاة بالتقلید بهذا المذاهب الا ربعة لا اخرج منها والتوفیق ما استطعت"(۱۹)

اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے روحانی طور پر آپ کو حکم ملا تھا کہ آپ مذاہب اربعہ کے درمیان تطبیق وتوفیق کریں۔ چنانچہ ''فیوض الحرمین'' میں بیان کرتے ہیں:

''نفحہ ثانیہ میں مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ امت مرحومہ کے مختلف ٹکروں کو تیرے ذریعے جمع کردے۔ اس لیے فروعی مسائل میں قوم کی مخالفت سے باز نہ رہنا حق کے منافی ہے۔ اس کے بعد میرے سامنے ایک نمونہ یہ ظاہر ہوا کہ فقہ حنفی کے ساتھ سنت کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے اقوال میں سے کسی ایک کا قول لیا جائے ان کے عام حکموں کی تخصیص کی جائے۔ ان کے مقاصد سے واقفیت بہم پہنچائی جائے اور لفظ سنت سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس پر اس طرح اکتفا کیا جائے کہ اس کی تاویل بعید نہ ہو، نہ بعض احادیث کو بعض سے ٹکرانے کی نوبت آئے اور نہ امت کے کسی فرد کے قول کے مقابلے میں کسی حدیث کو چھوڑنا پڑے۔ اس طریقہ کو اگر اللہ تعالیٰ پورا فرمادے تو یہ کبریت احمر اور کبریت اعظم ہے''(۲۰)

چنانچہ ''المصفی'' میں آپ نے مذاہب اربعہ کے درمیان توفیق کی کوشش کی ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہا ومجتہدین مذاہب کے اقوال کو بھی بیان کیا ہے۔ اور مختلف فیہ مسائل میں مجتہدانہ طور پر از روئے حدیث کسی ایک مذہب کو ترجیح بھی دی ہے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ متقدمین تابعین ومجتہدین کے اقوال کو بھی اختیار کیا ہے۔

تطبیق کا منہج:

اس وسیع النظری اور علمی گیرائی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے فقہی مسالک میں جمع وتطبیق کی سعی محمود کا آغاز فرمایا، حرمین سے واپسی کے بعد پہلے مرحلہ میں آپ نے اپنے ملک کے ماحول کے پیش نظر فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے درمیان تطبیق کی عملی کوشش فرمائی، آپ کی یہ کوشش کیسی تھی، اس کا نہج کیا تھا اور ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف رایوں میں تطبیق کی کیا شکل آپ نے نکالی؟ ان امور پر آپ نے خود ہی روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

"ان الحق الموافق لعلوم الملاالاعلی الیوام ان یجعلا کمذهب واحد یعرضان علی الکتب

المدونة فی حدیث النبی ﷺ من الفریقین ،فما کان موافقا بھا یبقی، ومالم یوجدله اصل یسقط، والثابت منھابعد النقد ان توافق بعضه بعضافذلك الذی یعض علیه بالنواجذ، وان یخالف تجعل وان یخالف تجعل المسئلة علی قولین ویصح العمل علیھا، او یکون من قبیل اختلاف احرف القرآن، او علی الرخصة والعزیمة، او یکونان طریقین للخروج من المضیق کتعدد الکفارت، او یکون اخذا بالمباحین المستویین، لا یعدوالامر ھذه الوجوه ان شاء الله تعالی" (۲۱)

''علوم ملا اعلیٰ کے موافق حق یہ ہے کہ دونوں مذاہب کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے، اس طور پر کہ دونوں مسالک کے فقہی مسائل کو ان ہی کی تدوین کردہ کتب حدیث پر پیش کیا جائے، جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو اسے باقی رکھا جائے، اور جو حدیث کے مخالف ہو اسے ساقط رکھا جائے، متفقہ مسائل پر سختی سے عمل کیا جائے اور مختلف فیہ مسئلہ میں دو قول قرار دیا جائے اور دونوں پر عمل صحیح قرار پائے۔ یا ہر دو قول کو اس طرح سمجھا جائے جیسے قرآن میں بعض الفاظ کی قراءت دو طرح ہے، یا ایک قول کو رخصت اور دوسرے قول کو عزیمت پر محمول کیا جائے، یا یہ سمجھا جائے کہ کفارہ کے طریقوں کی طرح ایک عمل کی ادائیگی کے دو طریقے ہیں یا دونوں کو برابر درجہ کا مباح سمجھا جائے''

تطبیق کی اس شکل میں حضرت شاہ صاحب علیہ نے بڑے اعتدال سے کام لیتے ہوئے دو بنیادی امور پر توجہ فرمائی ہے، ایک یہ کہ حدیث کے موافق قول پر عمل کیا جائے، مخالف قول پر نہیں۔ دوسرے یہ کہ جہاں دونوں طرف دلائل ہوں ان میں امت کے لئے سہولت کی راہ رکھی جائے کہ ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل درست قرار پائے، اور یہ سمجھا جائے کہ دونوں آراء شریعت ہی کی جانب سے ہیں۔

شاہ صاحب اپنے عمل کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بقدر امکان جمع میکنم درمذاھب مشھور مثلا صوم و صلوۃوضوو غسل وحج بوضع واقع می شود کہ ھمہ اھل مذاھب صیح دانند ، و عند تعذر الجمع باقوی مذاھب ازروئے دلیل و موافقت صریح حدیث می نمایم" (۲۲)

روزہ، نماز، وضو، غسل، اور حج جیسے مسائل میں بقدر امکان مذاہب مشہورہ کے درمیان جمع کرتا ہوں، کیونکہ تمام اہل مذاہب صحیح ہیں۔ اور جب تطبیق دشوار ہوتی ہے تو از روئے دلیل اور صریح حدیث کے موافق جو قوی مذہب ہو اسے اختیار کرتا ہوں۔

''اس طرح اس منہج کے مطابق حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فقہی مسالک کے درمیان تطبیق کی سعی فرمائی ہے۔ یہ تطبیق حدیث کی بنیاد پر تھی، اور اس میں بڑی معقولیت تھی۔ تطبیق کے اس منہج کے اندر فقہی مسالک کی اپنی خصوصیات بھی برقرار رہتی ہیں، حدیث پر پوری طرح عمل ہر حال میں باقی رہتا ہے، اور فروعی مسائل میں امت

کے لئے آسانی وسہولت کی راہ کھلی رہتی ہے۔اور اختلافی مسائل میں کسی بھی رائے پر عمل کرنے والا جس طرح اپنے بارے میں یہ اطمینان رکھتا ہے کہ وہ بھی شریعت پر عمل کر رہا ہے اور یہ دونوں ایک عمل کی ادائیگی کی دوشکلیں ہیں، دونوں شرعی ہیں اور دونوں درست ہیں ۔ یہ احساس اور تصور باہمی دوری اور اجنبیت کو کم کرتا ہے۔ بے جا فقہی تعصب اور تشدد پیدا نہیں ہونے دیتا ہے، باہمی احترام کو فروغ دیتا ہے اور اس روش کو بروئے کار لاتا ہے جو عہد اول سے سلف صالحین کو روش رہی ہے"(۲۳)

اعتدال پسندی:

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید کے ساتھ شاہ صاحب اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ تقلید میں اعتدال رکھنا چاہیے۔اعتدال کے سلسلے میں شاہ صاحب نے تفصیل کے ساتھ جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"کسی امام کی تقلید اور اس کے اقوال کو اس وقت لینا چاہیے جب ایک مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث کا علم نہ ہو۔ یا کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو۔صحیح حدیث کا علم جب صحیح ذرائع سے مل جائے تو علماء کے اقوال کو چھوڑ کر اس صحیح حدیث پر عمل کیا جائے"

حضرت شاہ ولی اللہؒ فقہی جمود کے بالکل قائل نہ تھے آپ چاہتے تھے کہ چاروں اماموں کے اقوال میں سے جو مسلک قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔صرف ظاہر حدیث ہی پر قناعت کر کے فقہ سے بے بہرہ رہنا یا صرف فقہ پر قناعت کر کے حدیث سے محروم رہنا یہ غلو اور افراط تفریط ہے جو درست نہیں، دونوں کو ملانا اور ان میں تطبیق دینا ضروری ہے اور یہی بہترین طریقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہٹ دھرمی اور بے جا ضد سے صرف نظر کے غور فکر کیا جائے اور ان تشریحات کو مشعل راہ بنایا جائے جنہیں اختلافی مسائل میں عملی تطبیق انجام دیتے وقت حضرت شاہ صاحب برتتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ باہمی مخالفت کا امکان کم سے کم ہو جائے گا بلکہ مستقبل کیلئے ایک مستحکم لائحہ عمل مرتب ہو سکتا ہے۔اس طرح حضرت شاہ صاحب کی مختلف مذاہب فقہیہ کو ایک کرنے کی آرزو بھی پایہء تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا شمارہ نہ صرف دنیائے اسلام کے ممتاز ترین جید علماء میں ہوتا ہے بلکہ آپ بیک وقت ایک محدث، فقیہ اور متفقہ طور پر اٹھارویں صدی کے مجتہد اور امام مانے جاتے ہیں آپ (شوال المکرّم ۱۱۱۴ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۷۵۳ء بروز بدھ) دہلی کے قریب قصبہ پھلت میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ عبدالرحیم تھا جو کہ بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی۔ اور پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم متعارفہ سے فراغت پائی۔ (ڈاکٹر مظہر بقا۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۷۳ء ص ۵۵۔) حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا، فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف، اور معاشرتی مسائل وغیرہ۔ آپ کی مشہور کتب میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ازالۃ الخفاء (۲) حجۃ اللہ البالغہ (۳) الفوز الکبیر (۴) عقد الجید (۵) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (۶) فیوض الحرمین (۷) القول الجمیل (۸) لمعات (۹) الدر الثمین فی مبشرات النبی ﷺ الامین (۱۰) سطعات (۱۱) تفہیمات (۱۲) شفاء القلوب (۱۳) انفاس العارفین (۱۴) الطاف القدس (۱۵) المصفیٰ (۱۶) المسوّیٰ وغیرہ)

۲۔ سید محمد متین ھاشمی، مولانا، مقدمہ سطعات از شاہ ولی اللہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۹

۳۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مطبوعہ مکتبہ دار التراث، مصر، ج ۱ ص ۱۴۸، ۱۴۹

۴۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱ ص ۱۴۸، ۱۴۹

۵۔ شاہ ولی اللہ، تفہیمات الالٰہیہ، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ، ۲/۲۵۰

۶۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱ ص ۱۴۶

۷۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱ ص ۱۳۳

۸۔ شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ص ۲۴

۹۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱ ص ۱۵۰

۱۰۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ (الطباعۃ المنیر یہ مصر ھ) ۱/۱۵۴

۱۱ شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید، قرآن محل کراچی س۔ن، ص ۵۶

۱۲۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (مجتبائی پریس دھلی ۱۹۳۵ء ص ۶۳

۱۳۔ شاہ ولی اللہ، عقد الجید، ص ۵۳۔۵۴

۱۴۔ ایضاً ص ۵۵

۱۵۔ ایضاً ص ۵۵

۱۶۔ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین، ص ۷۰

۱۷۔ شاہ ولی اللہ، تفہیمات الالٰہیہ ۲/۲۱۲

۱۸۔ شاہ ولی اللہ، تفہیمات الالٰہیہ (مدینہ برقی پریس بجنور۔ مجلس علمی ڈابھیل) ۱۹۳۶ء ۱/۲۱۱

۱۹۔ شاہ ولی اللہ، فیوض الحرمین (مترجم ساجد الرحمٰن کاندھلوی، قرآن محل کراچی) ص ۶۴

۲۰۔ ایضاً، ۵۰

۲۱۔ شاہ ولی اللہ، تفہیمات الالٰہیہ (مدینہ برقی پریس بجنور۔ مجلس علمی ڈابھیل ۱۹۳۶ء ۱/۲۱۱

۲۲۔ شاہ ولی اللہ، تفہیمات الالٰہیہ، ۲/۲۰۲

۲۳۔ محمد فہیم اختر ندوی، فقہی اختلاف اور شاہ ولی اللہ کا موقف، اسلامک بک فاونڈیشن نئی دہلی، ۲۰۰۳ء ص ۲۷